HABIBIA ISLAMICUS
(The International Journal of Arabic &Islamic Research) (Quarterly) Trilingual (Arabic, English, Urdu) ISSN:2664-4916 (P) 2664-4924 (E)
Home Page: **http://habibiaislamicus.com**
Approved by HEC in Y Category
Indexed with: IRI (AIOU), Australian Islamic Library, ARI, ISI, SIS, Euro pub.
PUBLISHER HABIBIA RESEARCH ACADEMY
Project of **JAMIA HABIBIA INTERNATIONAL,**
Reg. No: KAR No. 2287 Societies Registration Act XXI of 1860 Govt. of Sindh, Pakistan.
Website: **www.habibia.edu.pk**,
This work is licensed under a **Creative Commons Attribution 4.0 International License**.

TOPIC:

A RESEARCH ANALYSIS OF THE ARRIVAL OF WESTERN IDEOLOGIES IN THE INDIAN SUBCONTINENT AND THEIR IMPACT ON PAKISTAN

مغربی نظریات کی برصغیر پاک وہند میں آمد اور اس کے پاکستان پر اثرات کا ایک تحقیقی جائزہ

AUTHORS:

1. Dr. Naveed Iqbal, Assistant Professor, Department of Mass Communication, University of Karachi, Email ID: naveed.iqbal@uok.edu.pk

How to Cite: Iqbal, Dr. Naveed. 2025. “A RESEARCH ANALYSIS OF THE ARRIVAL OF WESTERN IDEOLOGIES IN THE INDIAN SUBCONTINENT AND THEIR IMPACT ON PAKISTAN: مغربی نظریات کی برصغیر پاک وہند میں آمد اور اس کے پاکستان پر اثرات کا ایک تحقیقی جائزہ”. *Habibia Islamicus (The International Journal of Arabic and Islamic Research)* 9 (3):58-71.
DOI: https://doi.org/10.47720/hi.2025.0903u04.
URL: https://habibiaislamicus.com/index.php/hirj/article/view/329
Vol. 9, No.3 || July –September 2025 || P. 58-71
Published online: 2025-09-30

QR. Code

A RESEARCH ANALYSIS OF THE ARRIVAL OF WESTERN IDEOLOGIES IN THE INDIAN SUBCONTINENT AND THEIR IMPACT ON PAKISTAN

مغربی نظریات کی برصغیر پاک وہند میں آمد اور اس کے پاکستان پر اثرات کا ایک تحقیقی جائزہ

Dr. Naveed Iqbal,

ABSTRACT:

This dissertation examines the Western concepts of 'Enlightenment' and 'Freedom,' exploring how these ideas entered the Indian Subcontinent and how they eventually permeated present-day Pakistan. What impact did these ideas have on Pakistani society and the state? What kinds of challenges has the state of Pakistan faced as a result of these effects, and how can these challenges be addressed or overcome. This has become an extensive ideological debate, and its effects on Pakistani politics are quite severe. For this reason, religious issues frequently turn into law-and-order problems in Pakistan. The dissertation includes the views and ideas of well-known Pakistani figures who hold different ideologies, including both secular and religious perspectives. The research shows that this is a significant issue, and in order to resolve it, the state will need to give preference to a unified Islamic ideology at the national level.

KEYWORDS: *Western concepts, Enlightenment, Freedom, secular, Islamic ideology, Pakistani society.*

تعارف: (Introduction)

قیام پاکستان سے لے کر اب تک پاکستانی سیاست پر مذہبی معاملات چھائے نظر آتے ہیں اور ملک میں چلنے والی مختلف تحریکوں پر نظر ڈالیں تو معلوم ہوتا ہے کہ مذہب کے نام پر بھی تحریکیں چلی ہیں اور اس کے سخت اثرات مرتب ہوئے ہیں۔ ان تحریکوں میں اسلامی نظام کے نفاذ کے لیے بھی تحریکیں چلیں ہیں۔ مذہبی سیاسی جماعتوں نے ووٹ حاصل کر کے پارلیمنٹ میں اپنی جگہ بھی بنائی ہے مگر پارلیمنٹ میں ہونے والی بہت سی قانون سازی مذہبی اور لادینی یا سیکولر قوتوں کے درمیان کشمکش کا باعث بھی رہی ہیں۔ ایسے بہت سے قوانین پارلیمنٹ سے منظور ہوئے کہ جن پر مذہبی جماعتوں نے اپنے اعتراضات اٹھائے اور ان کے خلاف جدوجہد بھی کی۔ آج بھی اس قسم کی جدوجہد نظر آتی ہے۔ اس منظر نامے میں زیر نظر مقالہ ان معاملات کو سمجھنے میں ایک اہم کردار کا باعث بن سکتا ہے کیونکہ اس میں ان نظریات اور معاملات کو تحقیقی انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ اس مضمون کا بنیادی مقصد یہ سمجھنا ہے کہ:

مغرب میں روشن خیالی اور آزادی کے جو نظریات اُبھرے، وہ برصغیر تک کیسے پہنچے؟

ان نظریات نے ہندوستان کے ادیبوں، علماء، دانشوروں اور سیاسی رہنماؤں کو کیسے متاثر کیا؟

پاکستان کے قیام کے بعد یہ نظریاتی کشمکش کس طرح ریاستی، عدالتی، تعلیمی اور میڈیا اداروں میں گہرائی؟

اور کیوں آج بھی پاکستان میں سیکولرازم اور اسلامی فکر کے درمیان ٹکراؤ برقرار ہے؟

سابقہ مواد: (Literature Review)

پاکستان میں گھریلو تشدد کے حوالے جو موجودہ قوانین ہیں ان میں بھی کچھ اسلامی اور کچھ غیر اسلامی ہیں۔ حفصہ نے اپنے ایم فیل کے ایک تحقیقی مقالے میں اس پر تفصیلی روشنی ڈالی ہے جو اس بات کا ثبوت ہے کہ پاکستانی پارلیمنٹ میں بننے والے قوانین دو حصوں میں تقسیم ہیں۔(Hfsa,2024)۔ اسی طرح اسلامی نظریاتی کونسل ایک آئینی ریاستی ادارہ ہے جو پارلیمنٹ کو قوانین کے بارے میں بتاتا ہے کہ آیا مروجہ اور نئے قوانین قران وسنت کے مطابقت رکھتے ہیں یا نہیں؟ اسلامی نظریاتی کونسل اپنے قیام سے ہی سود کی حرمت اور متبادل کے حوالے سے اپنی متعدد رپورٹوں اور سفارشات کے ذریعے شعور بیدار کرتی رہی ہے مگر آج بھی ریاست پاکستان میں سودی نظام رائج ہے۔(ساجد، 2000)۔ ایسا نہیں ہے کہ پاکستان میں اسلامی قوانین کے نفاذ کے لیے بالکل ہی کوشش نہ کی جاتی ہو، بہر حال کچھ نہ کچھ تو کوششیں ہوتیں ہیں چاہیے ان پر مذہبی حلقے اطمینان کا اظہار کریں یا نہ کریں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ پاکستان میں اسلامی بنکوں کی شریعہ سے مطابقت کے لیے اسٹیٹ بینک آف پاکستان گاہے بہ گاہے ہدایات اور ضوابط جاری کرتا رہتا ہے۔(اقبال، 2015)

مندرجہ بالا حقائق اس بات کی نشاندھی کرتے ہیں کہ ایسا نہیں ہے کہ پاکستان میں اسلامی نظام کے قیام کے لیے کوششیں نہ کی جاتی ہوں، اصل مسئلہ ملکی قوانین کو اسلامی تعلیمات اور احکامات کے مطابق بنانا ہے جس کی راہ میں مختلف رکاوٹیں حائل ہیں جس میں فکری رکاوٹیں بھی شامل ہیں حالانکہ سابق صدر ضیا الحق کے دور میں تو بے شمار قوانین ایسے متعارف کرائے گئے کہ جن کو دیکھ کر لگتا تھا کہ جلد ہی پاکستان درست معنوں میں اسلامی ملک بن جائے گا مگر ایسا نہیں ہو سکا اور محض سودی نظام کو ختم کرنا بھی ممکن نہ ہو سکا حالانکہ قیام پاکستان کے بعد تحریک پاکستان میں سرگرم عمل علماء، جو پاکستان کو ایک اسلامی ریاست کے بطور دیکھنے کے آرزومند تھے، مملکت کے دستور اور سیاسی نظام کو اسلام کے اصول و احکام پر استوار کرنے کا مطالبہ لے کر اٹھے۔ چنانچہ علامہ شبیر احمد عثمانی اور ان کے ہم خیال ارکانِ دستور ساز اسمبلی خصوصاًڈاکٹر عمر حیات ملک وغیرہ کی مساعی کا نتیجہ مجلس دستور ساز کی طرف سے قرار داد مقاصد کی منظوری (مارچ ۱۹۴۹ء) کی صورت میں نکلا۔ بعد ازاں مختلف مکاتب فکر کے نمائندہ علماء کی ایک مجلس نے اسلامی دستور سازی کے سلسلہ میں تجاویز مرتب کیں جو علماء کے بائیس نکات کے نام سے مشہور ہوئیں۔ خود مجلس دستور ساز کی طرف سے دستور سازی کے سلسلہ میں تجاویز/ اسلامی دستور کے خاکہ کی تدوین کے لیے تشکیل کردہ اسلامی تعلیمات بورڈ (جس کے ارکان میں سید سلیمان ندوی، مفتی محمد شفیع، ڈاکٹر محمد حمید اللہ، مولانا ظفر احمد انصاری، پروفیسر عبد الخالق اور مولانا جعفر حسین مجتہد وغیرہ شامل تھے) نے بھی اسلام کے دستوری قانون اور سیاسی نظام سے متعلق تجاویز مرتب کیں۔(ارشد 2016)۔ یہ بھی دیکھنے میں آیا کہ جب کبھی کوئی اسلامی قانون نافذ کرنے کا معاملہ پیش آیا تو اس کی راہ میں رکاوٹیں کھڑی کر دی گئیں جیسا کہ سود کے خلاف قانون اور حسبہ بل کے معاملات میں دیکھا گیا۔(مغل، 2016)۔ بعض کا یہ بھی کہنا ہے کہ اسلامی قانون کے اجراء کی خاطر زمین ہموار کرنے کے لیے اپنے عدالتی نظام میں بھی بہت کچھ تبدیلیاں کرنا ہوں گی۔ اوّلین اصلاح طلب معاملہ

پیشہ وکالت ہے جو موجودہ عدالتی نظام کی بدترین خرابیوں میں سے ایک ہے اسلام کے مزاج سے اس پیشے کو کوئی تعلق نہیں ہے۔ ظاہری اعتبار سے وکیل کا کام یہ ہے کہ وہ عدالت کے قانون کو سمجھے اور مقدمہ زیر سماعت کے حالات پر اسے منطبق کرے۔ اصولاً یہ ضرورت اپنی جگہ مسلم ہے لیکن اس ضرورت کو عملی جامہ پہنانے کے لیے جو صورت طریقہ وکالت کی شکل میں اختیار کی گئی ہے وہ کہاں تک درست ہے۔ عموماً ہوتا یوں ہے کہ ایک وکیل قانونی مہارت حاصل کرکے بازار میں بیٹھ جاتا ہے اور تیار رہتا ہے کہ جو شخص اس کے دماغ کی فیس ادا کرنے کے لیے تیار ہوتا ہے وہ اس کے حق میں قانونی نکات سوچنا شروع کر دیتا ہے اسے اس بحث سے کوئی تعلق نہیں کہ قانون کا منشا کیا ہے؟ وہ صرف یہ دیکھتا ہے کہ اس شخص نے فیس ادا کی ہے اور میرا کام اس کی حمایت کرنا ہے وہ مقدمہ کو قانون کے مطابق بناتا ہے۔ کمزور پہلوؤں کو چھپاتا ہے اور موافق پہلوؤں کو ابھارتا ہے۔(احمد،1980)

غور کیا جائے تو مذکورہ بالا تمام کا ایک اہم ترین سبب روشن خیالی اور آزادی کے وہ تصورات تھے جو مغرب سے ہمارے معاشرے میں آئے اور پھر ایک ایسے طبقے میں سرائیت کر گئے جن کا تعلق ریاست چلانے والوں سے تھا جبکہ اس کی ایک بڑی تعداد لکھاریوں میں بھی تھی جس کہ سبب میڈیا کے ذریعے یہاں نظریاتی کشمکش کا آغاز ہوا اور پھر یہ کشمکش نیچے عوام تک سرائیت کرنے لگی۔ دراصل مغرب میں روشن خیالی اور آزادی فکر کی ابھرتی ہوئی تحریکوں نے دنیا بھر کے مفکرین اور دانشوروں پر بھی اپنے اثرات مرتب کرنا شروع کر دیے تھے جبکہ انقلاب روس نے بھی عالمی سطح پر اثرات مرتب کیے،ہندوستان سے برطانیہ وغیرہ جانے والے مصنفین اور دانشوروں نے بھی ان سے اثرات قبول کیے۔

انیس سو پینتیس میں پیرس ایک کانفرنس منعقد ہوئی جس میں ہندوستان کے سجاد ظہیر سمیت چند لوگوں کو بھی بیرونی دنیا کے خیالات جاننے کا موقع ملا اور وہ اس کانفرنس جس کا موضوع 'انسانیت کی بالادستی: مظالم کی سرکوبی' تھا بے حد متاثر ہوئے۔ جس کے بعد سے برصغیر پاک وہند میں بھی روشن خیالی اور مغرب کے تصور آزادی کو تقویت ملتی چلی گئی۔ اس کے بعد مذہبی شخصیات میں سرسید اور ان کے رفقاء نے بھی مغرب کے افکار کو تیزی سے ہندوستان میں پھیلانا شروع کر دیا جس کے سبب ہندوستان میں ایک بہت بڑی فکری تبدیلی کا آغاز ہو گیا۔ یوں لکھاریوں اور دنشوروں کے ساتھ مذہبی شخصیات کی ایک بہت بڑی تعداد منظر عام پر آگئی جس کے اثرات ہندوستانی عوام پر پڑے اور پھر یہی اثرات قیام پاکستان کے بعد پاکستان میں چھاتے چلے گئے۔(ملک،2022)

طریقہ تحقیق:(Research Methodology)

زیر نظر تحقیقی مقالہ میں مختلف مغربی نظریات کا جائزہ لیا گیا ہے کہ ان نظریات کو پیش کرنے والوں کے نزدیک ان کا حقیقی مفہوم کیا ہے اور اس کے ساتھ ہیں ان نظریات کی آمد کی تاریخ کے ساتھ ان شخصیات کے خیالات اور افکار کا بھی جائزہ لیا گیا ہے جنھوں نے ان

نظریات کو خوش آمدید کہا اور برصغیر پاک وہند اور پھر پاکستان کے لیے راہ نجات سمجھا۔ ایک مطالعاتی جائزے کے ذریعے نظریاتی کشمکش کی وجوہات کو سمجھنے اور اس کے حل کو جاننے کی کوشش کی گئی ہے۔

مختلف نظریات اور ان کی تشریح:

روشن خیالی کا تصور کیا ہے؟ ایمانیل کانٹ نے اپنے روشن خیالی کے تصور میں انسان کو زندگی کے تمام معاملات میں فیصلوں کے لیے انسانی عقل کے استعمال پر ضرور دیا ہے۔ بالالفاظ دیگر اگر کوئی عقل کے بجائے مذہب کی روشنی میں فیصلے کرتا ہے تو ایسا شخص روشن خیال نہیں ہو سکتا۔(Jonathan ,2006)۔ عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ مذہبی نظریات رکھنے کے ساتھ ساتھ کوئی شخص روشن خیال بھی ہو سکتا ہے لیکن یہ تصور غلط ہے کیونکہ روشن خیالی کا تصور ایمانیل کانٹ کا پیش کردہ ہے جس میں کانٹ مذہب کی انسانی فیصلوں میں قطعی کوئی گنجائش قبول نہیں کرتا۔ گویا مذہب اور روشن خیالی دونوں مختلف نظریات ہیں۔ کانٹ کے مطابق انسان کو اپنے فیصلوں میں صرف اور صرف اپنی عقل سے کام لینا چاہیے جبکہ مذہب کے معاملات عقل سے آگے کے ہیں۔(ملک،2022)

اسی طرح جب ہم مغرب کے تصور آزادی کا جائزہ لیتے ہیں تو یہاں بھی کچھ ایسی ہی صورتحال دکھائی دیتی ہے۔ مغربی تصور آزادی کے تحت ہر فرد کوئی بھی تصور خیر رکھنے میں آزاد ہے اور وہ اپنے تصور آزادی پر عمل اس وقت تک کر سکتا ہے کہ جب تک وہ کسی کی آزادی میں مداخلت نہ کرے۔(Skinner,2008)۔ مغرب میں آزادی کا سب سے مقبول تصور 'ازیا برلن' کا پیش کردہ ہے جس میں اس نے اپنے شہرہ آفاق مضمون "ٹو کانسپٹ آف لبرٹی" میں تفصیل پیش کی ہے۔ اس تصور کے تحت ہر شخص آزاد ہے کہ وہ جو چاہنا چاہے، چاہ سکتا ہے۔ یعنی ایک شخص انفرادی طور پر خود سے طے کر سکتا ہے کہ اس کے نزدیک 'خیر' اور 'شر' کا تصور کیا ہے۔ دوسری لفظوں میں ہر شخص خدا کے درجے پر آ جاتا ہے کہ وہ خود اچھائی اور برائی کا تصور طے کر لیے اور پھر اس پر عمل کرے اور کوئی اسے روکنے والا بھی نہ وہ (اگر وہ اس عمل میں کسی کی آزادی کو نقصان نہیں پہنچاتا)۔ مختصر الفاظوں میں آزادی کا یہ نظریہ بھی مذہب کے قطعی برعکس ہے۔(ملک،2022)۔

مغربی نظریات کی آمد اور پس منظر:

مغرب میں روشن خیالی اور آزادی فکر کی ابھرتی ہوئی تحریک نے دنیا بھر کے مفکرین اور دانشوروں پر بھی اپنے اثرات مرتب کرنا شروع کر دیے تھے جبکہ انقلاب روس (1917) اور ہٹلر کے شعراء، ادیبوں وغیرہ کے خلاف مظالم نے بھی عالمی سطح پر اثرات مرتب کیے، ہندوستان سے برطانیہ وغیرہ جانے والے مصنفین اور دانشوروں نے بھی ان سے اثرات قبول کیے۔ انیس سو پینتیس میں پیرس ایک کانفرنس منعقد ہوئی جس میں میکسم گورکی، ویلڈو فرینک، آندرے مارلو، ای ایم فاسٹر، لوئی آراگان اور بورس پاسترنگ وغیرہ نے شرکت کی جس میں ہندوستان کے سجاد ظہیر سمیت چند لوگوں کو بھی ان سے ملاقات کا موقع ملا اور وہ اس کانفرنس جس کا موضوع 'انسانیت کی بالادستی: مظالم کی سرکوبی' تھا بے حد متاثر ہوئے۔ اس کانفرنس کے بعد انیس سو چھتیس میں 'انڈین پروگریسیو رائٹر ایسوسی ایشن' نے

ہندوستان میں باقاعدہ سرگرمیوں کا آغاز کیا۔ گو کہ اس سے قبل انیس سو بتیس میں ترقی پسند مصنفین کے تعاون سے 'انگارے' کا پرچہ یہاں شائع ہو چکا تھا جس میں ایک خاتون افسانہ نگار رشید جہاں کی تحریر بھی شامل تھی۔ یہ پرچہ ترقی پسند مصنفین اور لبرل خیالات کے حامل لوگوں کا تھا جس کے روح رواں سجاد ظہیر تھے۔ انیس سو چھتیس میں لکھنوء میں ترقی پسند مصنفین کی پہلی کانفرنس منعقد ہوئی جس کی صدارت منشی پریم چند نے کی اور اس کے بانی سجاد ظہیر تھے۔ اس کا مقصد ادب میں بھوک، افلاس، غربت اور ظلم وغیرہ جیسے موضوعات پر بات کرنا تھا یعنی ادب کو محض عشق و محبت کے موضوعات سے نکال کر دور حاضر کے اہم مسائل تک لے جانا تھا۔ گویا یہ ایک طرح سے کارل مارکس کے نظریات سے متاثر تھے اور ان نظریات کو پھیلانا ان کی کوشش بھی تھی۔ یوں برصغیر میں ایک طرح سے مغرب کے نظریہ آزادی، روشن خیالی اور لبرل نظریات کے دور کا آغاز تھا، یا پھر ان نظریات کے گہرے اثرات کا دور تھا جس میں رفتہ رفتہ اضافہ ہوتا چلا گیا اور ایک وقت ایسا بھی آیا کہ ہندوستان میں مذہبی رجحان رکھنے والوں اور بعض معروف مذہبی شخصیات نے بھی ایسے نظریات کو اسلامی نظریات سے جوڑنے کی کوشش کی جو لبرل، روشن خیالی کے مغربی نظریات سے کچھ مختلف نہ تھے۔ اس کی ایک بڑی وجہ یہ تھی کہ یہ شخصیات مغرب کی ترقی سے مرعوب ہو گئے تھے۔ ان شخصیات میں سرسید احمد خان اور مولانا شبلی کا نام سب سے نمایاں ہے۔ سرسید احمد خان نے جن نظریات کا اظہار کیا اس کے بارے میں ڈاکٹر محمد شہباز منج لکھتے ہیں کہ

"سرسید نے اپنی نئی صداقت کے واضح اظہار میں کبھی تامل نہیں کیا۔ چنانچہ انہوں نے کہا کہ انگریزوں پر یہ الزام لگانا غلط ہے کہ وہ ہندوستان کے مقامی باشندوں کو جانور سمجھتے ہیں۔ اصل یہ ہے کہ ہم در حقیقت جانور ہیں۔ میں بلا مبالغہ نہایت سچے دل سے کہتا ہوں کہ تمام ہندوستانیوں کو اعلیٰ سے لے کر ادنیٰ تک، امیر سے لے کر غریب تک، سوداگر سے لے کر اہل حرفہ تک، عالم فاضل سے لے کر جاہل تک، انگریزوں کی تعلیم و تربیت اور شائستگی کے مقابلہ میں در حقیقت ایسی ہی نسبت ہے جیسے نہایت لائق اور خوبصورت آدمی کے سامنے نہایت میلے کچیلے وحشی جانور کو۔ سرسید کا خیال تھا کہ اگر ہندوستان کے باشندے اس بات کے خواہشمند ہیں کہ انگریز حکمران ان سے مہذب انداز میں پیش آئیں تو اس کے لیے انہیں اپنے آپ کو اپنے آقاؤں کے قالب میں ڈھالنا ہو گا۔" (منج،2010)

ڈاکٹر اسرار احمد، سرسید کے بارے میں اظہار خیال کرتے ہیں کہ سرسید سرسید نے احادیث کی اہمیت نظر انداز کی یہ کام کوئی اور نہیں کر سکتا ہے یہ فتنہ معاشرے میں اس طرح پھیلا کہ علیگڑھ سے تعلیم حاصل کرنے والے حکومت اور سول سروس میں آگئے۔ (احمد اسرار ڈاکٹر، سن نامعلوم)

پاکستانی معاشرے میں نظریاتی تبدیلیاں اور کشمکش:

کہنے کو تو پاکستان میں رہنے والوں کی اکثریت مسلمانوں کی ہے اور یہ ایک اسلامی مملکت کہلاتی ہے مگر کافی حد تک پاکستان میں ایک سیکولر نظام حکومت ہے، اس کا آئین بھی کافی حد تک سیکولر ہے یہی وجہ ہے کہ قیام پاکستان سے لے کر آج تک پاکستان میں درست

معنوں میں اسلامی نظام قائم نہیں ہو سکا اور یہاں سیکولرازم اور اسلام کی کشمکش نہ صرف جاری ہے بلکہ اب اس ملک کو مزید سیکولر بنانے کے لیے دن بہ دن دبائو بڑھتا جا رہا ہے اور اس دبائو کے آگے حکمران کبھی مجبور و بے کس بھی نظر آتے ہیں اور کبھی اسلامی قوتوں سے ٹکراتے ہوئے بھی نظر آتے ہیں۔ اس ملک میں مکمل اسلامی نظام لانے کے لیے دینی جماعتوں اور قوتوں کی جانب سے جو کوششیں کی جا رہی ہیں ان میں ابھی تک کوئی خاطر خواہ کامیابی نظر نہیں آتی یہی سبب ہے کہ بہت سے اہل علم اور دین سے محبت رکھنے والے دانشور، دینی جماعتوں اور قوتوں کی کوششوں پر سخت تنقید کرتے ہوئے بھی نظر آتے ہیں۔ مثلاً ایک اہل علم کی یہ تنقید "قیام پاکستان سے قبل احیائے جہاد کے لیے علمائے کرام نے بے مثال قربانیاں دیں۔ اس دور میں بنیادی مقصد انگریز کے نظام کو تہس نہس کرنا تھا اور اسلامی ریاست کے قیام کو ممکن بنانا تھا۔ اس مقصد کے لیے ایک طرف مدارس کا جال پھیلایا گیا تاکہ اسلامی علمیت اور اسلام کے علمی سرمائے کا تحفظ کیا جا سکے اور دوسری طرف اسلامی ریاست کے قیام کے لیے برصغیر کے مختلف حصوں میں تحریکات برپا کی جا سکیں، لیکن پے در پے ظاہری ناکامیوں کے بعد خصوصاً ۱۹۲۴ میں تحریک خلافت کی ناکامی کے بعد اسلامی ریاست کے قیام کو ایک ناقابل ہدف کے طور پر علماء نے قبول کر لیا۔ اس کے بعد سیکولر جماعتوں مسلم لیگ اور کانگریس سے اشتراک عمل، دستوری و جمہوری ذرائع کا استعمال ہماری دینی جماعتوں کا عام طریقہ بن گیا۔ ان کے خیال میں کافر اقتدار میں تحفظ اسلام کی یہی واحد حکمت عملی تھی۔ قیام پاکستان کے بعد بھی اس لائحہ عمل کے تسلسل کو برقرار رکھا گیا۔ وہ جماعتیں جن کی فکر کا بنیادی محور احیائے جہاد تھا انھوں نے بھی قیام پاکستان کے بعد ریاستی جدوجہد کے لیے جو نظریہ تشکیل دیا وہ یہی تھا کہ ہم دستور پاکستان کے اندر رہتے ہوئے جمہوری نظام کو اسلامیانے کی کوشش کریں گے اور چونکہ پاکستانی عوام اصولی طور پر غلبہ اسلام ہی چاہتے ہیں، اس کے لیے ہم تطہیر افکار کریں گے اور لوگوں کو یہ باور کرا دیں گے کہ پاکستان کے لیے دیانت دار قیادت ناگزیر ہے اور جدجہد کے بنیاد پر ہم خیانت کار قیادت کو اکھاڑ پھینکیں گے اس کے لیے ایک طرف علماء کرام رائے عامہ کی ہمواری کے لیے تن من دھن سے کام کیا اور دوسری طرف علماء کرام کے ساتھ ملکر دستور پاکستان میں اسلامی شقیں شامل کرانے کی بھرپور جدوجہد کی۔ اس نظریاتی ماڈل پر کام کرنے کا ثمر یہ ہے کہ ہم نے دستور میں چند اسلامی شقیں شامل کروا دیں جو فی العمل معطل رہتی ہیں، تمام قوانین غیر شرعی نہ صرف برقرار ہیں بلکہ ان میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے اور دوسری طرف اپنی انتھک کوششوں اور جدوجہد کے باوجود ہم رائے عامہ کو نہ غلبہ اسلام کے لیے ہموار کر سکے اور اس بات پر تیار نہیں کہ وہ سیکولر حکمرانوں سے چھٹکارا پائیں اور منصب اقتدار دین دار قیادت کو سونپ دیں۔ ساٹھ سال کا تجربہ ہمیں بتاتا ہے کہ لوگوں کی دلی وابستگیاں اب بھی سیکولر پارٹیوں کے ساتھ ہی ہیں۔"(مغل،2016)۔

اسی طرح فلسفہ کے ایک پروفیسر کہتے ہیں کہ

"انیسویں صدی کے اواخر سے برصغیر پاک وہند کی تحریکات اسلامی کو جن مختلف چیلنجز کا سامنا کرنا پڑا ان میں سیکولرازم بھی ایک اہم چیلنج رہا ہے۔ اللہ کے فضل وکرم سے تحریکات اسلامی نے علمی سطح پر سیکولرازم کا جم کر مقابلہ کیا اور امت کے عملی سرمائے ک تحفظ کا فریضہ بہ احسن وخوبی ادا کیا لیکن اس کے باوجود بھی سیکولرازم اپنی گرفت آہستہ آہستہ مضبوط کرتا جارہا ہے۔"

آگے مذید لکھتے ہیں کہ

"تحریکات اسلامی نے روشن خیالی سے اخذ کردہ سیاسی، سماجی، قانونی اور معاشی ڈھانچوں (جو کہ نامیاتی طور پر سیکولر نوعیت کے نظام کی بنیاد فراہم کرتے ہیں) میں شرکت کے ذریعے ان ڈھانچوں کو اسلامیانے کی کوشش کی۔ ان جوہری طور پر سیکولر ڈھانچوں کی اسلام کاری کے عمل میں تحریکات اسلامی سے وابستہ افراد کامیاب ہوئے ہوں یا نہ ہوئے ہوں لیکن اس نظام میں راسخ العقیدہ علماء حق کی شرکت سے معاشرتی، سیاسی، معاشی اور قانونی نظام کی سیکولرائزیشن کو اسلامی وجواز ملنا شروع ہو گیا۔"(وہاب،2016)۔

ایک بات یہ کہی جاتی ہے کہ آئین میں یہ آرٹیکل موجود ہے کہ جس کے تحت قرآن و سنت کے خلاف قانون سازی نہیں کی جاسکتی۔ اس کا جواب مولانا محمد زاہد صدیق مغل اس طرح دیتے ہیں۔

" قرارداد مقاصد ہو یا ۱۹۷۳ کا دستور، یہ شقیں تو ریاست کو کافرانہ نظام کے ماتحت چلانے کا بہانہ ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ یہ شقیں ہمیشہ طاق نسیاں پر پڑیں رہتی ہیں اور ہمارے ملک میں بے شمار قوانین خلاف شرع ہونے کے باوجود پچھلے ۳۴ برسوں سے عدلیہ ٹس سے مس نہیں ہوئی بلکہ اس کے بجائے جب کبھی کوئی اسلامی قانون نافذ کرنے کا معاملہ پیش آئے تو اس کی راہ میں رکاوٹیں کھڑی کرتی ہے جیسا کہ سود کے خلاف قانون اور حسبہ بل کے معاملات میں دیکھا گیا۔ اس اسلامی نماشقوں کی حیثیت صرف اتنی ہے کہ انہیں خود 'ہم نے' دستور میں رکھا ہے اور اگر 'ہم' چاہیں تو انہیں ختم بھی کرسکتے ہیں گویا اصل حاکمیت 'ہماری' ہی ہے۔ پھر ان شقوں پر مبنی شرعی قوانین کی نوعیت کسی بالادست قانون کی نہیں بلکہ وفاقی شرعی عدالت کے ایک 'مشورے' کی ہوتی ہے جنھیں عدالت عظمہ چاہے تو رد کرسکتی ہے، گویا اصل حاکمیت تو دستوری قانون ہی کی ہوگی اور شارع کی بات بس ایک مشورے کے طور پر کہی اور سنی جاسکتی ہے۔"(مغل،2016)۔

علماء اور اہل علم کی مندرجہ بالا باتوں سے ایک بات واضح ہوتی ہے کہ آئین پاکستان جس کو عام طور پر لوگ مکمل نہ سہی بہت حد تک اسلامی سمجھتے ہیں، درحقیقت وہ ایک ایسا آئین ہے کہ جس کی موجودگی میں اسلامی قوانین کی تیاری اور ان کا نفاذ بھی انتہائی مشکل ہے جب کہ سیکولر نظریات سے ہم آہنگ قوانین بنانا اور نافذ کرنا انتہائی آسان ہے اور اس کا عملاً اظہار ہوتا بھی رہتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ پاکستان ایک جدید ریاست کے طور پر چلایا جارہا ہے جب کہ علماء اور عوام اسے ایک اسلامی ریاست سمجھ تے

ہیں، چنانچہ یہی وہ بنیادی نقطہ ہے کہ جس کے سبب پاکستان میں سیکولر ازم اور اسلام کی کشمکش جاری نظر آتی ہے اور یہ کشمکش ابتداء ہی سے جاری ہے مثلاً عزیز احمد اپنی کتاب میں لکھتے ہیں،

"جج محمد منیر اور جج ایم آر کیانی نے اپنی رپورٹ (جو عام طور پر ''منیر رپورٹ'' سے موسوم کی جاتی ہے) میں موجودہ دور میں ایک ''اسلامی ریاست'' کے تصور کے مسئلہ اور الجھن کو بڑی سچائی اور ایمانداری سے پیش کیا گیاہے۔ اگر پاکستان، علماء یا اساسیت پسندوں کی تعریف کے تحت ایک اسلامی ریاست کہا جاسکتا ہے تو جدید معنوں میں اسے جمہوریت نہیں کہا جاسکتاہے۔ تیکنکی لحاظ سے اگر اختیار اعلیٰ خدا کو سونپ دیا جاتا ہے تو پھر وہ مقتدر و بااختیار ریاست نہیں کہی جاسکتی۔" (احمد،1997)۔ ایک اور مثال چیف جسٹس تصدق حسین جیلانی کی بھی ہمیں نظر آتی ہے کہ جب انھوں نے فیصلے میں لکھاہے کہ ہر شخص اپنا مذہب تبدیل کر سکتاہے۔ اس فیصلے کا انگریزی متن اور اردو ترجمہ سپریم کورٹ کی ویب سائٹ پر موجود ہے۔ منشور انسانی حقوق کی بنیاد پر جو تصور انسان، تصور کائنات اور تصور خیر پیش کیا گیا ہے اس کا ماخذ فیڈر لسٹ پیپرز ہے۔ اس میں خدا، رسول اور آخرت کی کوئی گنجائش نہیں وہ صرف آزادی کا تصور الحق پیش کرتا ہے۔

مندرجہ بالا حقائق سے ظاہر ہوتا ہے کہ پاکستان کا طرز حکومت اور آئین سیکولر بنیادوں پر کھڑا ہے اور عدلیہ، مقننہ، بیوروکریسی اور میڈیا سب جگہ لبرل سوچ رکھنے والوں کی ایک بڑی قوت موجود ہے چنانچہ پارلیمنٹ میں غیر مذہبی جماعتوں کے نمائندوں کی عددی برتری کے باعث مذہبی جماعتوں کے پلٹ فارم سے منتخب ہو کر پارلیمنٹ میں پہنچ نے والے ارکان اسمبلی بھی ملک میں اسلامی نظام کے قیام، قانون سازی کرنے میں اور سیکولر طرز کے قوانین اور فیصلوں کو روکنے میں ناکام رہتے ہیں یوں جب بھی اوپر کی سطح سے سیکولر قسم کے فیصلے آتے ہیں تو سارا بوجھ علماء اور اسلام پسند عوام پر آجاتا ہے اور انھیں سیکولر اور غیر اسلامی فیصلوں کے خلاف میدان عمل میں آنا پڑتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب ختم نبوت کے حوالے سے اسمبلی میں آئین میں تبدیلی کے لیے چھیڑ چھاڑ کی گئی تو علماء نے شدید مزاحمت کا مظاہر کیا اور ۲۲ دن تک راولپنڈی میں دھرنا دیا اور مختلف مسالک کے علماء اور اسلام پسندوں نے اس دھرنے کی بھرپور حمایت کی۔ اسی تناظر میں ہمارے سامنے ایک اور مثال کم عمری میں شادی سے متعلق پارلیمنٹ سے بننے والا قانون بھی ہے۔ پاکستانی پارلیمنٹ (سینیٹ) سے اٹھارہ سال سے کم عمر میں شادی پر پابندی کا بل مئی 2025 میں منظور ہو گیا جس پر مشہور عالم دین، مولانا تقی عثمانی صاحب کی جانب سے ٹوئٹ آیا کہ "اٹھارہ سال سے کم عمر کی شادی کے بارے میں پارلیمنٹ سے جو بل حیرت انگیز جلد بازی میں منظور کرایا گیاہے وہ نہ صرف یہ کہ قرآن و سنت کے بالکل خلاف ہے۔"

سیکولر نظریات کی یہ جنگ صرف عدلیہ، مقننہ، بیوروکریسی اور میڈیا سے ہی جاری نہیں ہے بلکہ اس کو عالمی طاقتوں سے بھرپور مدد مل رہی ہے اور اس مدد کے باعث آج سیکولر تعلیمی اداروں میں بھی سیکولر سوچ تیزی سے ابھر کر سامنے آرہی ہے۔ دنیا بھر میں چونکہ سیکولر نظریات تقریباً رائج ہو چکے ہیں خاص کر نظریہ آزادی اور بنیادی حقوق۔ لہذا اقوام متحدہ کے ذریعے بھی یہ کوششیں جاری ہیں کہ دنیا

کے وہ ممالک جہاں مغربی نظریہ آزادی اور بنیادی حقوق رائج نہیں ہیں، کسی طرح رئج کیا جائے مثلاً جب لیبیا میں توہین قرآن اور توہین رسالت کے خلاف ایک مظاہرے کے دوران مشتعل مظاہرین نے امریکی ایمبیسی پر حملہ کر دیا، آگ لگادی، تو یو این او کا اجلاس طلب کیا گیا۔ صدر اوباما نے اس اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ توہین قرآن اور توہین رسالت ، آزادی اظہارے رائے کی ایک شکل ہے۔امریکی آئین اس کی آزادی کاتحفظ کرتا ہے آزادی اظہارے پر پابندی عائد نہیں کی جاسکتی۔امریکیوں کی اکثریت عیسائی ہے اہم اپنے مقدس عیسائی نظریات اور حضرت عیسیٰ کی توہین پر بھی کوئی پابندی عائد نہیں کرتے۔ دنیا کے سب لوگ آزادی کے الحق اور الخیر ہونے کے اصول کو تسلیم کرتے ہیں لہذا ہر شخص کو اظہارے رائے کی آزادی حاصل ہے۔(انصاری،2020)۔

اسی طرح جب پاکستان میں جب کچھ لوگوں نے سوشل میڈیا پر توہین رسالت کے لیے پیج بناکر پروپیگنڈا کیا تو عوامی دبائو پر ان لوگوں کو گرفتار کر لیا گیا یا وقتی طور پر منظر نامے سے غائب کر دیا گیا مگر بعد میں حکومت بیرونی قوتوں کے آگے جھک گئی اور ان چاروں افراد کو ملک سے باہر جانے دیا گیا، رضوان الرحمٰن رضی نے اپنے ایک انٹرویو میں کہا کہ وہ ان متنازعہ پیجیز کا پچھلے دوسال سے مشاہدہ کررہے تھے مگر ان دوبرسوں میں کسی حکومت نے ان کے خلاف کچھ نہیں کیا۔ جس وقت مذکورہ ملزمان لاپتہ تھے، برطانیہ اور امریکہ کے ترجمان کی جانب سے یہ خبریں اخبارات کی زینت بنی کہ وہ آزادی اظہارے رائے کو قائم کرنے کے حامی ہیں اور پاکستان میں ہونے والے معاملات پر نظر رکھے ہوئے ہیں۔(رضی،2017)

ملک کے سیکولر تعلیمی اداروں میں بھی طلبہ میں سیکولر سوچ تیزی سے پروان چڑھائی جارہی ہے گو کہ مذہبی جماعتوں کی طلبہ تنظیمیں بھی ان اداروں میں کام کررہی ہیں اور تعلیمی نصاب میں دینیات کی تعلیم جامعات کی سطح تک لازمی دی جارہی ہیں مگر ساتھ ہی لادینی نظریات کی حامل سائنس پڑھائی جاتی ہے اور عقیدہ انسانی حقوق، مساوات اور عقیدہ آزادی بھی پڑھایا جاتا ہے یوں ان تعلیمی اداروں میں طالب علم دوکشتیوں میں سوار ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ ان سیکولر تعلیمی اداروں میں طلبہ کے سیکولر ذہن تیار ہورہے ہیں۔ اسی طرح سیکولر موضوعات پر سیمینار اور مذاکروں کا اہتمام بھی ان تعلیمی اداروں کے طلبہ کو سیکولر نظریات سے متاثر کرنے کے لیے ہوتا ہے۔ یہ دہرے نظریات والا تعلیمی نظام سیکولر ازم اور اسلام کی کشمکش کا مظہر بھی ہے اور یہ کشمکش اکثر طلبہ تنظیموں میں تصادم کا باعث بھی بن جاتی ہے۔ دوسری جانب سیکولر تعلیمی اداروں مخلوط ماحول بھی تیزی سے نئی نسل کو ماڈرن معاشروں کے کلچر سے متعارف کرارہا ہے جس سے مغربی کلچر والا ماحول بھی بن رہا ہے اور نت نئے مسائل بھی جنم لے رہے ہیں، ان تعلیمی ادروں میں ناچ گانے کے مخلوط پروگرام اور لڑکے لڑکیوں کی دوستیاں وغیرہ سے بے شمار مسائل سامنے آرہے ہیں، شراب نوشی، منشیات کا استعمال اور پسند کی شادیاں اور گھروالوں کے انکار پر خودکشیاں یا آپس میں قتل وغیرہ اب کوئی انہونی بات ہی نہیں رہی ہے۔ یہ ماحول صرف اعلیٰ تعلیمی ادروں ہی میں نہیں اسکولوں میں بھی

ہے اور کلچر اس حد تک خطرناک ہو چکا ہے کہ مڈل کلاس علاقوں میں واقع اسکولوں کی انتظامیہ نے ان مسائل سے جان چھڑانے کے لیے لڑکے اور لڑکیوں کے کیمپس ہی الگ کر دیئے ہیں۔

سیکولر نظریات اور پاکستانی میڈیا:

میڈیا اور سوشل میڈیا کی سہولت کا ایک یہ فائدہ تو ہوا کہ معلومات کی ترسیل اور رابطے آسان ہو گئے مگر ایک بڑا نقصان یہ ہوا کہ ہر کسی کو دانشور بننے اور رہنمائی کرنے کا موقع میسر آ گیا خواہ اس نے زندگی میں کبھی کوئی کتاب نہیں پڑھی ہو چنانچہ علم کی کمی کے باعث اس اہم ذریعہ ابلاغ پر اظہارے رائے کی آزادی کا غلط استعمال بھی ہونے لگا اور لادینی نظریات یہاں سے با آسانی پھیلنے لگے۔ ’آزادی‘ کے لفظ پر دھواں دھار جنگ بھی شروع ہو گئی کہ کسی کی دل آزاری کرنے کا حق بھی آزادی ہے سمجھا جانے لگا۔ مغربی آزادی کا تصور آج سرمایہ دارانہ نظام سمیت سیکولر ازم، سوشل ازم، لبرل ازم، کمیونزم، انارکزم، نیشنل ازم، فیمنین ازم وغیرہ سب میں مشترک ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج جن ریاستوں میں اس تصور پر عمل نہیں ہو رہا ہے وہاں بڑے ممالک اپنی طاقت کے ذریعے عمل کرانا چاہ رہی ہیں اور یہ کام ترجیحی سطح پر کیا جا رہا ہے مثلاً پاکستان میں سوشل میڈیا پر آزادی کے نام پر توہین رسالت کرنے والے چند لاپتا افراد کے معاملے پر برطانیہ اور امریکہ کا پاکستان کے خلاف بڑا سخت موقف سامنے آیا جس میں انھوں نے کہا کہ ہم آزادی اظہارے رائے کو بڑی اہمیت دیتے ہیں اور اس معاملے کو انتہائی سنجیدگی سے لیتے ہیں اور پاکستان کی صورتحال کا جائزہ لیتے رہیں گے۔ برطانوی ترجمان کے مطابق برطانیہ اظہارئے رائے کی آزادی پر مکمل یقین رکھتا ہے اور اس عمل کی حمایت کرتا ہے۔ (اخبارات ۱۴ جنوری ۲۰۱۷)۔ سوال یہ ہے کہ میڈیا اس قسم کی آزادی کو کیوں ترجیح دیتا ہے؟ میڈیا معاشرے کی خدمت کر ہی نہیں سکتا، اس کا بنیادی مقصد کچھ اور ہی ہے؟ صرف پاکستانی میڈیا ہی نہیں پوری دنیا کا میڈیا انہی سیکولر و لبرل قسم کے نظریات کو فروغ دیتا ہے اور مدر پدر آزادی کے فروغ اور تحفظ کے لیے دن رات کام کرتا ہے گو کہ اس کا دعویٰ ہوتا ہے کہ وہ (میڈیا) آزاد اور غیر جانبدار ہے مگر حقیقت میں اس کے برعکس ہوتا ہے۔ میڈیا کا ایک طریقہ واردات یہ ہے کہ وہ ہر مسئلہ کو عقلی بنیادوں پر سوالات کھڑے کر کے پروپیگنڈا کرتا ہے اور بجائے اسلامی علمیت کے اسلامی معاملات پر بھی عقلی علمیت کے حوالے سے بحث و مباحث کا اہتمام کرتا ہے اور پھر علماء کو سوالات کے جوابات کے لیے اپنے پروگراموں میں بلاتا ہے یوں وہ اہم اسلامی معاملات پر بھی عقلی بنیادوں پر سوالات اٹھاتا ہے، کبھی اصل وجہ یا اصولی طور پر پہلا سوال نہیں اٹھاتا بلکہ اسے چھوڑ کر دوسرا سوال اٹھاتا ہے چنانچہ اس عمل سے ایک عالم کے لیے بھی عقلی بنیادوں پر جواب دینا مشکل ہو جاتا ہے کیونکہ کسی اسلامی مسئلے پر اسلامی علمیت ہی میں جواب بنتا ہے عقلی بنیاد پر ایسا جواب سمجھ میں نہیں آ سکتا۔ مثلاً ایک اداکارہ قندیل بلوچ کو اس کے بھائی کی جانب سے قتل کرنے کے معاملے پر ٹی وی چینلز کے میزبان یہ سوال کرتے نظر آئے کہ کیا اسلام میں غیرت کے نام پر اس طرح کسی انسان کی جان لینا جائز ہے؟ کچھ علماء اس کا موثر جواب نہ دے سکے کیونکہ اس سے پہلے یہ سوال اٹھتا ہے کہ قندیل بلوچ نے میڈیا پر آ کر جو کچھ کیا، کیا وہ اسلام میں جائز ہے؟ اسی

طرح اگر ہم پاکستان میں میڈیا کا جائزہ لیں تو انٹرٹینمنٹ چینلز اپنے جو بھی ڈرامے پیش کرتے نظر آتے ہیں ان میں اسلامی نظریات کی مخالف ہوا چلتی ہوئی تو نظر آتی ہے مگر ہماری معاشرتی اقدار کی بھی دھجیاں اڑاتی دکھائی دیتی ہیں۔ ڈراموں کی کہانیاں، ڈائیلاگ اور مناظر اس قابل نہیں ہوتے کہ خاندان بھر کے ساتھ بیٹھ کر یہ ڈرامے دیکھے جا سکیں۔ غرض انٹرٹینمنٹ میڈیا تو مکمل طور پر پاکستانی معاشرے میں نظریاتی بغاوت کر چکا ہے۔

نتیجہ:(Conclusion)

زیر نظر مقالہ سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ مغربی تصورات خصوصاً روشن خیالی اور آزادی برصغیر پاک وہند میں صرف فلسفیانہ یا ادبی حیثیت سے نہیں آئے بلکہ انہوں نے سیاسی، سماجی اور قانونی ڈھانچے تک کو گہرے طور پر متاثر کیا۔ ان تصورات کا ایک بڑا حصہ مغرب سے متاثر ہونے والے ہندوستانی ادیبوں، دانشوروں، ترقی پسند تحریکوں، اور بعد ازاں جدیدیت کے زیر اثر مذہبی شخصیات کے ذریعے یہاں منتقل ہوا۔ قیام پاکستان کے بعد یہ نظریاتی اثرات مزید واضح ہوتے ہیں۔ ایک طرف اسلامی فکر پر مبنی ریاستی نظریہ تھا، دوسری طرف روشن خیالی اور لبرل ازم سے متاثر طبقے کے ذریعے ایک ایسا فکری رجحان پیدا ہوا جو ریاستی فیصلوں، عدالتی طریقہ کار، قانون سازی، تعلیمی نصاب اور میڈیا پر اثر انداز ہونے لگا۔ اسی کشمکش نے پاکستان میں مذہبی و سیکولر قوتوں کے درمیان ایک مسلسل نظریاتی تنازع کو جنم دیا، جو آج بھی ملکی سیاست اور سماجی فضا میں شدت کے ساتھ موجود ہے۔

تحقیق سے یہ بھی ظاہر ہوا کہ پاکستان میں اسلامی نظام کے قیام کی متعدد آئینی، قانونی اور عملی کوششیں ہوئیں چاہے وہ قراردادِ مقاصد ہو، اسلامی نظریاتی کونسل کی سفارشات، اسلامی شقوں کا آئین میں اضافہ، یا اسلامی بینکاری کے اقدامات۔ اس کے باوجود مکمل اسلامی قوانین کا نفاذ ممکن نہیں ہو پایا۔ اس ناکامی کا ایک بڑا سبب وہ فکری و ثقافتی رکاوٹیں ہیں جو روشن خیالی، جدیدیت، لبرل ازم اور سیکولر سیاسی فلسفوں کے زیر اثر پیدا ہوئیں۔ علماء، مفکرین اور مذہبی طبقے کی جانب سے مسلسل جدوجہد کے باوجود پاکستان میں عمومی رجحان سیکولر ریاست یا کم از کم "ہائبرڈ نظام" کی طرف رہا ہے، جس کے باعث مذہبی قوتیں مکمل دینی قانون سازی میں کامیاب نہیں ہو سکیں۔ دوسری طرف سیکولر طبقہ بھی اپنے تمام اہداف حاصل نہیں کر سکا، کیونکہ عوامی سطح پر اسلامی نظریات کی حمایت ہمیشہ مضبوط رہی ہے۔ یوں یہ کہا جا سکتا ہے کہ پاکستان میں نظریاتی کشمکش کی بنیاد محض سیاسی نہیں، بلکہ تہذیبی، فکری اور تاریخی ہے اور یہ کشمکش مستقبل قریب میں بھی ختم ہوتی دکھائی نہیں دیتی۔

سفارشات:(Recommendations)

مقالے میں پیش کی گئی تفصیلات کی روشنی میں مندرجہ ذیل سفارشات سامنے آتی ہیں:

1. غیر رسمی اور انتشار پیدا کرنے والی بحثوں کے بجائے ریاست کو چاہیے کہ ایک انسٹی ٹیوشنل ڈائیلاگ پلیٹ فارم قائم کیا جائے جہاں مذہبی اسکالر، آئینی ماہرین، سماجی سائنسدان، ماہرین تعلیم اور میڈیا نمائندگان مشترکہ طور پر پاکستان کے فکری مستقبل پر رہنمائی فراہم کریں۔

2. پاکستان کے آئینی ڈھانچے میں اسلامی شقیں موجود ہیں، مگر عملی سطح پر قوانین مختلف متضاد ماخذوں سے اخذ کیے گئے ہیں۔ اس سے قانونی الجھاؤ اور عدالتی تضادات پیدا ہوتے ہیں اس کے لیے ضروری ہے کہ اسلامی نظریاتی کونسل کی سفارشات کو ایک باقاعدہ قانون سازی کے روڈمیپ میں تبدیل کیا جائے۔ پارلیمنٹ قانون سازی کے دوران اسلامی، آئینی اور سماجی اصولوں کے درمیان ہم آہنگی پیدا کرے۔ عدالتی نظام کو فہم مقاصد الشریعہ اور جدید قانونی تقاضوں کے درمیان توازن پیدا کرنے کی تربیت دی جائے۔

3. مغربی نظریات اور اسلامی فکر دونوں کے بارے میں درست، متوازن اور معروضی علم کی فراہمی ضروری ہے۔

4. میڈیا کے فکری کردار پر مؤثر پالیسی بنائی جائے۔ میڈیا فکری کشمکش کو بڑھانے کی بجائے اعتدال، رواداری اور علمی مباحث کی ترویج کرے۔ ریاست کو چاہیے ٹی وی مباحثوں کے معیارات مقرر کرے۔ نفرت اور نظریاتی شدت پسندی کی روک تھام کے لیے واضح قوانین بنائے۔ رائے سازی میں مذہبی توہین اور فکری تحقیر سے گریز کا ماحول بنائے۔

5. اگر اسلامی قوانین کا نفاذ ریاست کا آئینی وعدہ ہے تو پھر اس کے لیے ادارہ جاتی اصلاحات ناگزیر ہیں عدالتی نظام میں شرعی مہارت کو لازم قرار دیا جائے۔ وکالت کے نظام میں اخلاقی اور دینی تربیت کے اصول شامل کیے جائیں۔ اسلامی مالیاتی نظام کو عملی اور تحقیقی بنیادوں پر مضبوط بنایا جائے۔

حوالہ جات:

1۔ احمد، 1980، 'پاکستان میں اسلامی قانون کے نفاذ کی عملی تدابیر'، محدث، لاہور:
https://magazine.mohaddis.com/articledetail/3441

2۔ احمد اسرار ڈاکٹر: https://www.youtube.com/watch?v=iKIEGpcDsRY

3۔ احمد عزیز، 1997، برصغیر میں اسلامی جدیدیت، ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور۔

4۔ ارشد محمد ڈاکٹر، 2016، مجلہ الشریعہ، شمارہ 12، جلد 27، گجرانوالہ۔

5۔ اقبال، 2015، 'مالیاتی ادارے اور شریعہ ایڈوائزری بورڈ: ضرورت، ذمہ داری، ضابطے (تنقیدی جائزہ)'، سینٹر آف ایکسی لینس ان اسلامک فنانس، انسٹی ٹیوٹ آف مینجمنٹ، پشاور۔

6۔ انصاری اقبال، 2020، میڈیا، نظریات اور معاشرہ، تصویر کا دوسرا رخ کیا ہے؟، این آئی ڈبلیو، کراچی۔

7۔ رضی رضوان الرحمان، 2017، "سوشل میڈیا پر توہینِ رسالت، کون اور کب تک"، ہفت روزہ ندائے خلافت، صفحہ ۹، ۲۸ مارچ تا ۳ اپریل ۲۰۱۷، لاہور۔

8۔ ساجد، 2000، 'انسداد سود کے لیے اسلامی نظریاتی کونسل کی سفارشات کا جائزہ'، ایم فل مقالہ۔
file:///C:/Users/cw/Downloads/ssrn-3813937.pdf

9۔ منج محمد شہباز ڈاکٹر،2010،
https: //alsharia.org/2010/jun/sir-syed-tafseeri-tajaddud-pasandi-1-dr-m-shehbaz
10۔ مغل،2016،اسلام یا جمہوریت:'اسلامی خلافت اور موجودہ مسلم ریاستوں کا تاریخی تناظر میں موازنہ'،کتاب محل،لاہور۔
11۔ملک محمد کاشف ڈاکٹر،2022،'فلسفہ حقوقِ انسانی کے مسلم معاشرے پر اثرات'،ادراک اسلامیہ، کراچی۔
12۔وہاب عبدل ڈاکٹر،2016،اسلام یا جمہوریت:'اسلامی انقلاب اور لبرل دستوری جدوجہد'،کتاب محل،لاہور۔

13.Hfsa,2024, "Domestic Violence Laws in Pakistan : Review of Compatible and Conflicting Provisions in the Light of Islamic Teachings", Malakand University Research Journal of Islamic studies, Vol: 6, Issue: 1, Jan–June 2024

14.Jonathan Israel (2006), Enlightenment! Which Enlightenment?، Journal of the History of Ideas, Vol. 67, No. 3 ، University of Pennsylvania Press

15.SKINNER, Quentin (2008), A third concept of liberty. In: Contemporary Political Philosophy: an anthology. Robert Goodin and Philip Pettit (ed.). Oxford, Blackwell Publishing, G. Oxford, Blackwell Publishing, Great Britain.

This work is licensed under a Creative Commons Attribution 4.0 International License.